علمی انحطاط اور شوقِ اجتہاد

عکاشہ عثمانی
متعلم درجہ سادسہ، جامعہ

تمہید

کچھ حضرات کو مجلس میں بیٹھے مذاہبِ فقہیہ کے درمیان ترجیح دیتے دیکھا، منظر یہ تھا کہ ایک صاحب نے کہا: ''امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول ہے، مگر امام شافعیؒ یوں فرماتے ہیں اور انہی کی بات دل کو لگتی ہے۔'' اب کیوں دل کو لگتی ہے؟ اور کیسے لگتی ہے؟ اس سے قطع نظر بندہ تو اس بات پر حیران تھا کہ یہ کون سی نئی دلیل ہے ترجیح کی کہ ''دل کو لگتی ہے''؟ پھر ایک صاحب کہتے ہیں کہ: ''یوں ہونا چاہیے۔'' پھر ان حضرت کی مجلس شوریٰ اپنی رائے پیش کرتی ہے، کچھ حکم بنے ان اقوال میں ترجیح کی خدمت سرانجام دے رہے ہوتے ہیں، جبکہ اگر ''ترجیح'' سے فعلِ معروف کی گردان سنانے کو کہا جائے تو چار غلطیاں کریں، اس پر ظلم یہ کہ کچھ تو قرآن مجید اور احادیث کو لے کر مسائل فقہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ جیسے فقہ قرآن وسنت سے ماخوذ نہیں، مخالفِ قرآن وسنت ہے۔ دکھ اس پہ ہے کہ انھوں نے مسائل کو سمجھا ہوتا ہے نہ قرآن وحدیث کو، بلکہ فقہ اسلامی کو لہو ولعب بنا کر جس کے دل میں جو آیا کہہ ڈالا، فقہاء پر طعن کرنا تھا کر ڈالا، علماء پر الزام دھرنا تھا دھر ڈالا۔ خیال ہوا اور کچھ نہیں تو دو چار الفاظ ہی لکھ دیے جائیں، شاید یہ تحریر ان کی آنکھوں تک پہنچے، ان کے فہم کا دروازہ کھٹکھٹائے اور ان کے دل میں اتر جائے۔ کچھ باتیں جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے بڑوں سے سنیں اور کتابوں میں پڑھیں عرض کر دیں، بس ان اسباب کو بیان کیا گیا ہے جن کی وجہ سے یہ بیماری لگتی ہے اور پھر اس کے علاج کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے، واللہ الموفق.

وہ اجتہاد کرتے ہیں تو ہم کیوں نہ کریں؟

کہتے ہیں کہ: ''چاروں مذاہب برحق ہیں، ہر ایک کا قول اللہ کے ہاں ماجور (باعث ثواب) ہے، صحیح ہوا تو دو اجر ورنہ ایک تو ہے ہی [1]، تو بس ہمیں کیوں روکتے ہو؟''

اب یہاں غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ دعویٰ یہ ہے کہ: ''ہمیں کیوں روکتے ہو؟'' اور دلیل یہ ہے کہ: ''ہر ایک کا قول اللہ کے ہاں ماجور ہے۔'' جبکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ اجر مجتہدین کے لیے خاص ہے نہ کہ عام لوگوں کے لیے، لیکن یہ بات بول کر حقیقتاً یہ دعویٰ کر رہے ہوتے ہیں کہ ہم میں اور ائمہ مجتہدین میں فرق ہی کیا ہے؟ اور کبھی صراحتاً کہہ بھی دیتے ہیں: ''هم رجال ونحن رجال''

اور جب انہیں ان ائمہ کی عبادت کا کچھ حال سنا دیا جائے تو ان کی عقل اسے قبول کرنے سے قاصر ہوتی ہے، کہتے ہیں یہ تو ممکن ہی نہیں، اب خود سوچیے کہ جس بات کو ان کی عقل قبول کرنے سے عاجز ہے، وہ حضرات اُسے بالفعل انجام دے چکے ہیں، جہاں وہ بالفعل پہنچے ہیں وہاں یہ بالقوہ پہنچنے کے بھی منکر ہیں:

من يهتدي في الفعل ما لاتهتدي
في القول حتى يفعل الشعراء

پھر اگر ان حضرات کے علم کے احوال سنائے جائیں تو ان کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں، چہرے پر تعجب کے آثار ہوتے ہیں، اور ہونے بھی چاہئیں۔ لاکھوں احادیث کا حفظ، پھر اسانید اور ہر راوی کے حالات مستحضر، رات میں کتاب عاریۃً لیتے ہیں تو صبح حافظے میں محفوظ کر کے واپس لوٹا دیتے ہیں، اپنے شیخ کے کہنے پر حفظِ قرآن کے لیے نکلے ہیں اور ایک ہفتے بعد امر کی تکمیل کیے واپس حاضر ہیں، ایک بار سن لیں تو بھولتے نہیں، سوا حادیث مجلس میں ان کے سامنے غلط و بے ترتیب اسناد کے ساتھ پڑھی جائیں تو سو کی سو ترتیب وار غلط اسانید پر مشتمل روایات بھی سناتے ہیں اور پھر تصحیح بھی کرتے ہیں۔ حافظے کے ایسے حیرت ناک واقعات سے ان کی سوانح بھری ہوئی ہیں، اور اگر یہی نقل کرتے جائیں تو صفحات کے صفحات بھر جائیں گے اور جو کہنا ہے وہ رہ جائے گا۔ اس پر مستزاد محنت ایسی کہ پوری پوری رات جاگنا، ساری توجہ ان ہی مسائل پر ہونا، اوڑھنا بچھونا یہی علم، ساری زندگی اسی میں کھپا دینا، پھر خیر القرون کا زمانہ جس کی بہتری کی گواہی ایسی زبان مبارک سے ہے کہ جھوٹ کی نسبت ان کی طرف (معاذ اللہ) قبول نہیں کی جا سکتی، پھر اجتہاد کی شرائط اتم طریقے پر ان میں جمع اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا انتخاب ایسا کہ ان کی سوانح پڑھنے والا ہر شخص یہ محسوس کرے گا کہ یہ تو اسی کام کے لیے پیدا کیے گئے تھے، یعنی مختصراً ''اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ''[2] کا مظہر تھے، اور آخر میں ایسی مقبولیت کہ ساری امت انہی پر جمع تھی، جبکہ امت کا گمراہی پر جمع ہونا ناممکن ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: ''إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ''[3]، اور ایسی کتنی ہی صفات ہیں کہ طوالت کے خوف سے پہلوتہی کرنی پڑ رہی ہے اور نہ ہی ان کا استقصاء مقصود ہے، مقصود تو برابری کا دعویٰ کرنے والوں کو آئینہ دکھانا ہے۔

اب ہم ان سے کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے آپ کو ان تمام اوصاف سے متصف سمجھتے ہیں تو ان جیسا

ہونے کا دعویٰ ضرور کریں، بے شک اجتہاد کے لیے اس کی شرائط کا ہونا ضروری ہے، نہ کہ ان جیسا ہونا، مگر چوں کہ دعویٰ ان جیسا ہونے کا ہوتا ہے، اس لیے جواب بمطابق دعویٰ کے عرض کر دیا۔

اگر آیت یا حدیث، فقہ کے خلاف ملے؟

کہتے ہیں: ''اگر ہمیں مجتہدین کے حکم کے خلاف قرآن مجید کا صریح حکم مل جائے تب بھی تقلید کریں گے؟ یا احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس کے صریح متعارض ہوں تب بھی؟''

ایسا سوال انسان کو خوفزدہ کر دیتا ہے، اور ڈرنا بھی چاہیے:

اگر میں جیتا تو تم ہو میرے
اگر میں ہارا تو میں تمہارا

عرض ہے کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ نص کے مخالف ہے؟ یعنی آپ خود کو اس بات کا اہل سمجھتے ہیں کہ آپ بتلائیں کونسا حکم نص کے مخالف ہے اور کونسا موافق؟ جبکہ حال یہ ہے کہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ فقہاء بیوی کے لیے وصیت کے قائل نہیں اور آیت ''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ'' سامنے آجائے تو مخالفِ قرآن ہونے کا فتویٰ صادر کرنے میں دیر نہ لگائیں، اور آیت ''وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ'' میں قید ''الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ'' دیکھ کر رضاعی بہو کو حلال قرار دے دیں، اور حرمت کو فقہاء کی بنائی ہوئی چیز قرار دے دیں۔ آیت ''اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوْا'' کو پڑھ کر باوضو کے لیے بھی نماز کے کھڑے ہوتے وقت وضو کو فرض قرار دے دیں اور کہیں کہ علماء فقہاء کو اس کا کیا پتہ؟ آیت ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ'' پڑھیں تو غنی آدمی کو اختیار دے دیں کہ چاہے تو روزہ رکھے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ آیت ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا'' پڑھ کر منکر نبوت کی نجات کا پروانہ جاری کر دیں۔ آیت ''وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ'' پڑھ کر کہیں کہ اگر اللہ کی ذات پر یقین آ گیا ہو تو اب عبادت کی چنداں ضرورت نہیں۔ جب بغیر علم کے اجتہاد ہوگا تو یہ سب ممکن ہے، اور یہ کوئی فرضی باتیں نہیں، بلکہ ان میں سے کئی نام نہاد اجتہادات تو ایسے ہیں جو کیے جا چکے ہیں۔ الغرض ایسی ایسی باتیں سامنے آئیں گی کہ اہل علم حیران رہ جائیں گے کہ ایسے بھی اجتہاد ہوتا ہے؟ اور پھر انجام کار کا سوچ کر رد دیں گے کہ یہی تو سارا دین ڈبونے کا پیش خیمہ ہے۔

یہاں یہ بات مختصراً عرض ہے کہ کسی بھی نص (قرآن وحدیث) کے صرف ظاہری ترجمے سے حکم ثابت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جیسے نئے نئے عصری علوم کے طلبہ یا عام لوگ جب دین کی طرف آتے ہیں تو حدیث پڑھتے ہیں: ''رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ...الخ''(4) اور فوراً اجتہاد کا کام شروع کر دیتے ہیں، بس رفع الیدین شروع ہو جاتا ہے اور علماء کے بارے میں تأثر یہ ہوتا

ہے کہ انہیں کیا پتہ؟ ان نئے مجتہدین کا بھی یہی حال ہے کہ بس ترجمہ معلوم ہوا اور حکم لگا دیا، گویا حکم کا استنباط اور نص کے درمیان صرف ترجمہ کی سیڑھی ہے، جس نے یہ عبور کر لی وہ مجتہد ہوا، اس اعتبار سے سب عرب اور عربی دان بھی مجتہد ہوئے۔ اگر اتنا ہی آسان تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہر عالم مجتہد بن کر فتویٰ نہیں دیتا؟

اس اشکال کے صحیح جواب کے لیے تو علمِ اصول فقہ ہے، مگر مختصراً عرض ہے کہ حکم کا استنباط ایسے نہیں ہوتا جیسے انہوں نے سمجھا ہے:

ستم سکھلائیں گے رسم وفا ایسے نہیں ہوتا صنم دکھلائیں گے راہِ خدا ایسے نہیں ہوتا

نص سے حکم ثابت کرنے کے لیے شرائط ہیں کہ نص منسوخ نہ ہو، جیسے آیت ''وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ...''، اب ترجمہ معلوم ہونے کے بعد بھی اس سے حکم ثابت نہ ہوگا، بلکہ اس کے لیے علمِ ناسخ و منسوخ کی مہارت ضروری ہے، اس نص کے معارض میں کوئی دوسری نص مساوی یا راجح نہ ہو جیسے رفع الیدین کے مقابل میں ترکِ رفع الیدین والی احادیث، اس کے لیے ذخیرہ احادیث کا مستحضر ہونا ضروری ہے، جن اقوال پر اجماع ہے ان کا علم ہونا ضروری ہے، وغیرہ وغیرہ۔

پھر یہ بھی معلوم ہو کہ کس درجہ کی دلیل سے کس قسم کا حکم ثابت ہوتا ہے؟ مثال کے طور پر قطعی الثبوت و قطعی الدلالت سے فرضیت یا حرمت ثابت ہوگی، ظنی الثبوت و قطعی الدلالت یا اس کے عکس سے وجوب یا کراہت تحریمی ثابت ہوگی اور ظنی الثبوت و ظنی الدلالت سے مستحب یا سنت وغیرہ کا ثبوت ہوگا، جیسے حدیث ظنی الثبوت و قطعی الدلالت ''إِنَّ اللهَ زَادَكُمْ صَلَاةً، وَهِيَ الْوِتْرُ''[5] سے وتر کے وجوب کا ثبوت، وغیرہ۔

اس کا بھی علم ہو کہ حکم کا اثبات کس کے لیے کیا جا رہا ہے؟، یعنی مکلف کون ہے؟ جیسے: نماز کا حکم ثابت تو ہو گیا، مگر بچے اور مجنون کے حق میں اس کا ثبوت نہ ہوگا، وغیرہ۔

اسی طرح وہ الفاظ جو نص میں مذکور ہیں ان کا تعلق کس قسم سے ہے؟ اس کا علم ہونا بھی ضروری ہے، جیسے: خاص، عام، مشترک، مؤول، حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ، خفی، مشکل، وغیرہ، اور کلام کس قسم سے ہے؟ وہ بھی معلوم ہو، یعنی عبارۃ النص ہے یا اشارۃ النص یا دلالۃ النص یا پھر اقتضاء النص، اس لیے کہ ہر ایک کے اعتبار سے احکام میں تبدیلی آتی ہے۔

اس کی پوری تفصیل تو علمِ اصولِ فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے، یہاں استقصاء مقصود بھی نہ تھا، بلکہ صرف اس بات کو ثابت کرنا تھا کہ حکم کے لیے صرف عربی یا ترجمہ جاننا کافی نہیں ہوتا، اسی لیے جب بھی کوئی نص مخالفِ قرآن یا حدیث لگے تو اپنا اجتہاد کرنے کے بجائے علماء سے رجوع کیا جائے۔[6]

مذاہبِ برحق میں سے جسے چاہیں اختیار کریں!

کہتے ہیں: ''تسلیم کیا کہ اجتہاد ہمارا کام نہیں، تو چلو انہی چار مذاہب میں۔ جنہیں تم برحق سمجھتے ہو۔ جس قول کو ہم چاہیں اختیار کریں، اس میں تو کوئی قباحت نہیں؟''

عرض ہے کہ علماء کی اصطلاح میں اسے ''ترجیح بین المذاہب'' کہا جاتا ہے، فی نفسہ یہ کوئی بری چیز نہیں، اسی لیے مجتہدین حضرات یہ ترجیحات دیتے ہیں، مگر غیر مجتہدین کے لیے یہ چیز بری ہے، غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ یہ ''قبیح لغیرہ'' ہے، یعنی اس کا برا ہونا خارجی وجہ سے ہے، اس کی وضاحت یوں ہے کہ آپ کا ائمہ کے اقوال کے درمیان کوئی بھی قول چننا علم کی بنیاد پر تو ہے نہیں، چوں کہ اس کے لیے بھی اجتہاد کی شرائط کا ہونا ضروری ہے، اب اجتہاد کی شرائط تو دور کی بات ہے، اگر کوئی شخص آپ سے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کا ترجمہ کرائے تو آپ کا کہنا ہوگا: ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔'' اور پھر وہ یہ پوچھ لے کہ یہ ''تمام'' کا لفظ کس عربی لفظ سے ماخوذ ہے؟ تو آپ بغلیں جھانکنے لگیں گے، آپ سے اسی آیت میں ''رب'' کے لفظ کا صیغہ پوچھ لیا جائے تو آپ پوچھیں گے کہ ''صیغہ'' کیا بلا ہے؟ سوال کیا جائے کہ ''جو'' کا ترجمہ کہاں سے کر رہے ہیں؟ ''بڑا'' اور ''نہایت'' کا لفظ کہاں سے لائے ہیں؟ تو آپ کہیں گے: بولنے سے خاموشی بہتر ہے، جبکہ یہ سوالات علم نحو وصرف اور لغت کے ہیں، جو درس نظامی کے مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں، اور اگر ٹھیٹھ علمی وفنی سوالات ہوں تو پھر کیا حال ہوگا؟ پھر باقی علوم یعنی تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، اسماء الرجال، معانی، بیان، بدیع، قراءت وغیرہ جو علمِ دین کی صحیح سمجھ کے لیے لازمی علوم ہیں، آپ خود غور کریں کہ کتنے علوم سے آپ بالکل ہی ناآشنا ہیں؟ اور کتنوں پر آپ نے آج تک کوئی کتاب بھی نہیں دیکھی؟ اور کتنے علوم سے آشنائی ہے بھی تو کتنی مہارت ہے؟

غرض یہ کہ آپ کی ترجیح علم کی بنیاد پر نہ ہوگی، اور جب بنیاد علم نہیں تو آپ اسی قول کو چنیں گے جو آپ کے دل کو بھائے اور پسند آئے، اسی کو آج کل کہتے ہیں: ''یہ قول دل کو زیادہ لگ رہا ہے۔'' اگرچہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہ ہو، اب آپ خود غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس انتخاب کی بنیاد سوائے آپ کے نفس کو اچھا لگنے کے اور کیا ہے؟ یعنی اصل میں نفس کی اتباع ہوئی، اور اس پر تو شدید وعید وارد ہوئی ہے: ''اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا''[7] یہ ہے وہ ''غیر'' (یعنی ترجیح بین المذاہب کے ساتھ اتباع نفس کا ہونا جو اس کا غیر ہے) جس کی تفصیل کی جارہی تھی، خلاصہ یہ کہ علم نہ ہونے کی وجہ سے ''ترجیح بین المذاہب'' میں ''اتباعِ نفس'' پایا جاتا ہے، اس لیے یہ ممنوع ٹھہرا۔ اسی لیے اگر علم ہو اور شرائط اجتہاد موجود ہوں تو اس میں کوئی ممانعت نہیں، جیسے ہمارے کئی علماء نے ترجیحات دی ہیں اور اب بھی دیتے ہیں۔

اجتہاد کی شرائط

1۔قرآن مجید کا علم ہو (معانی کے ساتھ لغت کے اعتبار سے اور شرعی اعتبار سے)، اور ان تمام اصولوں کا بھی جو اصولِ فقہ میں مذکور ہیں۔

2۔حدیث کا علم بھی اپنے اصولوں کے ساتھ (جو اصولِ حدیث میں یا اصولِ فقہ کے باب السنہ میں مذکور ہیں)۔

3۔قیاس کے طریقوں کا علم ہو (جو اصول کی کتب میں مذکور ہیں)۔

4۔اجماعی مسائل کا علم ہو۔ (8)

کیا اجتہاد کی شرائط، قرآن وحدیث سے ثابت شدہ ہیں؟

کہتے ہیں: ''کیا یہ شرائط قرآن وحدیث سے ثابت ہیں؟''

اب اس سوال کے پس منظر میں موجود کم عقلی اور کج فہمی سے قطع نظر۔کہ شریعت جن دلائل سے ثابت ہے ان دلائل کے علم کی شرط لگانا شریعت کے استنباط کے لیے بدیہی بات ہے۔''اصولِ فقہ کے وجوہ کی شرط'' (یعنی اصولِ فقہ کے طرق یا اصولوں کی شرط کیوں لگائی گئی ہے؟) کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

جب قرآن میں حکم مذکور ہو اور حدیث اس میں اضافہ کرے تو کیا حدیث سے قرآن مجید پر اضافہ کیا جائے گا یا نہیں؟ مثال کے طور پر وضو کی آیت ''فاغسلوا۔۔'' پر حدیث ''إِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' سے نیت کا اضافہ کیا جائے گا یا نہیں؟، قرآن مجید میں طواف کی آیت ''وَلْيَطَّوَّفُوْا۔۔'' پر حدیث ''الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ'' سے وضو کا اضافہ کیا جائے گا یا نہیں؟ جب قرآن یا حدیث میں لفظِ مشترک استعمال ہو تو کس معنی کو ترجیح دیں گے؟ مثلاً مشہور مسئلہ ہے کہ آیتِ ''قروء'' میں حیض مراد لیں گے یا طہر؟ ''امر'' وجوب کے لیے ہے تو آیا ہر امر سے وجوب ثابت ہوگا یا نہیں؟ نصوص میں ظاہری تعارض کو رفع کیسے کیا جائے گا؟ مثلاً حدیث میں پیشاب کے چھینٹوں سے بھی بچنے کا حکم ہے: ''اسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ'' اور حدیثِ عرنیین میں اونٹوں کے پیشاب پینے کا حکم ہے: ''اشْرَبُوْا مِنْ أَبْوَالِهَا وَ أَلْبَانِهَا''، اب جمع یا ترجیح کیسے ہوگی؟ حدیث حضرت بریرہؓ میں ان کے شوہر کو آزاد مانا جائے گا: ''وَ زَوْجُهَا حُرٌّ'' کے مطابق یا غلام مانا جائے گا: ''وَ زَوْجُهَا عَبْدٌ'' کے مطابق؟ آیت ''إِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ۔۔۔'' اور آیت ''لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ۔۔'' وغیرہ میں دفعِ تعارض کیسے ہوگا؟ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یا نہیں؟ مثلاً آیت ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ'' میں مطلق

خون کی حرمت ہے اور آیت ''دَمًا مَّسْفُوْحًا'' میں ''بہتا ہوا'' ہونے کی شرط ہے، تو کیا اب خون کی مطلق حرمت ہوگی یا مقید پر محمول کیا جائے گا؟ ''مفہومِ مخالف'' مراد لیا جائے گا یا نہیں؟ احادیث کی کون سی اقسام حجت ہوں گی؟ قیاس اور خبر واحد میں ترجیح کیسے ہوگی؟ کیا آپ ﷺ کا ہر فعل لازمِ عمل ہوگا؟ مثلاً کچھ باتیں ہمارے لیے قابلِ عمل نہیں، آپ ﷺ نے صومِ وصال سے منع فرمایا، صحابہؓ کی جانب سے چپلوں کے اتارنے پر پوچھا کہ تم نے کیوں اتاریں؟ چار سے زائد بیویوں کا حکم آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہونا وغیرہ، اب اس کا کیا قاعدہ ہوگا؟ فرض، واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام میں فرق کیسے کیا جائے گا؟ ان سب سوالوں کا جواب اصولِ فقہ میں ہے، اصولِ فقہ ہی وہ علم ہے جو ان مشکلات سے نکالتا ہے اور منزل تک پہنچاتا ہے، یہی وجہ ہے اصول فقہ کی وجوہ کی شرط کی وضاحت کے لیے کچھ اہم اہم سوالات درج کر دیے گئے، تاکہ اس کی ضرورت سمجھ میں آجائے، ورنہ فہرست تو بہت طویل ہے، ان مباحث کو انہی کتب میں دیکھ لیا جائے تو ان شاء اللہ بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

بالفرض وہ مجتہد ہو گئے!

بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ ان میں شرائطِ اجتہاد جمع ہو گئی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اِن کے قول کو ان ''متقدمین مجتہدین'' کا قول چھوڑ کر اختیار کیا جائے؟

ائمہ مجتہدین میں سے بیشتر حضرات اس زمانے کے ہیں جس کے بارے میں سرورِ کائنات ﷺ کا فرمان ہے: ''خَيْرُكُمْ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ... الخ''[9] پھر ان کے اساتذہ یا اساتذہ کے اساتذہ کے بارے میں بعد از خدا بزرگ ﷺ خود فرمائیں: ''فَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ، وَلاَ نَصِيْفَهُ''[10]، ذہانت کا دعویٰ ہو تو کوئی لاکھوں احادیث کا حافظ لائیے، پھر امت ان پر جمع ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ''إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ''[11]، الغرض کون سی وجہ ہے کہ نئے مجتہدین کے قول کو لیا جائے اور متقدمین کے قول کو ترک کر دیا جائے؟ اگر ان کا کہنا یہ ہے کہ ان کا قول قرآن وحدیث کے مطابق ہے اور باقی حضرات کا مخالف، تو عرض ہے کہ وہ مسئلہ لے کر علماء کے پاس جائیں اور پوچھیں، ان شاء اللہ یہ شبہ بھی دور ہو جائے گا۔

پوچھ لیتے کبھی دھنک سے کہ یہ سات رنگوں کی ساحری کیا ہے؟

یہ بات اس وثوق سے کہنے کی وجہ یہ نہیں کہ فقہ کا ہر ایک مسئلہ منصوص ہے، بلکہ اس کی وجہ ہزاروں

لاکھوں علماء کا ان مسائل پر اعتماد، ان پر دلائل کے انبار، اور صدیوں سے ان پر متوارث عمل ہے۔

مسائلِ فقہ پر وثوق کی وجہ

آج ان فقہی مسائل پر تیرہ صدیوں سے زائد عرصہ گزر چکا ہے اور ان صدیوں میں ہزاروں لاکھوں علماء نے انہیں پڑھا پڑھایا ہے، ان کی شرح کی ہے، حواشی لکھے ہیں، تفریعات کی ہیں، اور طرح طرح کی خدمات انجام دی ہیں، ان علماء کی تعداد کا اندازہ بھی مشکل ہے، کیا انہیں معلوم نہ ہوا کہ یہ مسائل مخالفِ قرآن ہیں؟ اور یہ علماء کوئی عام لوگ نہ تھے، تاریخ کے اوراق پلٹتے جائیں تو اندازہ ہوگا کہ یہ کن صلاحیتوں کے حامل لوگ تھے۔ اب یہ بات کیسے مانی جائے کہ تقریباً تیرہ صدیوں بعد آج یہ لوگ ہیں جنہوں نے اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نت نئے مسائل حل کرنے کی بجائے یہ پرانے مسائل میں نت نئی مشکلات پیدا کریں گے۔

حواشی وحوالہ جات

1-أخرجه أبو داود (3574)، وابن ماجه (2314)، وأحمد (17809) باختلاف يسير.

2- ''اللہ اپنی ہی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص (خدا کی طرف) رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے۔'' (بیان القرآن)

3-أخرجه الترمذي (2167).

4-أخرجه أبو داود (728)، والبغوي في "شرح السنة" (564) كلاهما بلفظه، والطحاوي في "شرح معاني الآثار" (1170) بلفظ مقارب، وأصله في مسلم (401) بنحوه مطولًا.

5-أخرجهُ أحمد (23851) واللفظ له، والطحاوي في "مشكل الآثار" (4492)، والطبراني في "الكبير" (2/ 279) (2168) بنحوه.

6- توضیح (ص:29-31) طبعة ''بشری''، یہ بحث مذکور ہے۔

7- ''(اے پیغمبر!) آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے؟ سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں؟'' (بیان القرآن)

8- شرائط اسی طریق پر اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہیں۔ (توضیح، نور الانوار، وغیرہ)۔

9-صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب لايشهد على شهادة جور إذا أُشهد، 3/ 171، رقم الحديث: 2651، ط:دار طوق النجاة/ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فضل الصحابةؓ: 4/ 1964، رقم الحديث:2535، ط:دار إحياء التراث العربي.

10- متفق عليه، صحيح البخاري: (3673)

11- رواه ابن ماجة، والطبراني، وغيره.